ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی بحیثیتِ مترجم

ڈاکٹر نورین روبی
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو
گورنمنٹ عائشہ پوسٹ گریجوایٹ کالج، لاہور

DR. IFTIKHAR AHMAD SIDDIQUI
AS A TRANSLATOR

Noreen Rubi, PhD
Assistant Professor of Urdu
Govt. Aysha Post Graduate College, Lahore

Abstract

Dr. Iftikhar Siddiqui is a renowned critic and researcher of Urdu. Translation work is one of his fortes. He has translated numbers of article from English into Urdu. But his Urdu rendition of Allama Iqbal's diary namely *Stray Reflection* merits to be mentioned as he has employed all possible literary beauties in its translation which has made this translation itself a piece of literary value. Another scholar has also translated the same diary into Urdu. The article presents comparative study of both of the translations besides highlighting overall review of the translation.

Keywords:
ارسطو، علامہ اقبال، محمد حسن عسکری، گوئٹے، بیدل، ڈاکٹر حمید اللہ، پروفیسر میاں محمد شریف، افتخار احمد صدیقی، فلسفۂ اقبال

فنِ ترجمہ نگاری کے حوالے سے پروفیسر افتخار احمد صدیقی کی ادبی خدمات کونظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔اُن کا ادبی سرمایہ ''کہتر بغایت بہتر'' کے مصداق خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔صدیقی صاحب نے زیادہ تر تراجم انگریزی سے اُردو میں کیے ہیں۔انھوں نے تراجم کی ابتدائی کاوش اُس وقت کی جب وہ چھتیس گڑھ کالج، رائے پور میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔یہاں اُنھوں نے کالج میگزین کے لیے کچھ نظموں اورافسانوں کے ترجمے کیے،جن کا سراغ نقشِ دوام کی اِس تحریر میں ملتا ہے:

> '' رائے پور کالج میں ٹیگور کی کئی نظموں کا ترجمہ کر چکا تھا، علاوہ ازیں وہاں کے کالج میگزین کے لیے' سائنس فکشن' کی نوعیت کے بعض دلچسپ افسانوں کا ترجمہ بھی کیا تھا۔''(۱)

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے ''عبدالرحمٰن کے انگریزی مضمون (۲)Iqbal's Philosophy of Self کا ترجمہ'' اقبال کا فلسفہ خودی''(۳) اور Iqbal's Conception of Satan and its Place in Society (۴) کا ترجمہ''اقبال کا نظریۂ ابلیس''(۵) کیا۔یہ دونوں تراجم فلسفۂ اقبال میں شامل ہیں۔Iqbal's Philosophy of Self کا ترجمہ کرتے ہوئے صدیقی صاحب نے ایک زبان کو دوسری زبان کے قالب میں بڑی کامیابی سے ڈھالا ہے۔اِس ترجمے کی انفرادیت الفاظ کی دروبست ہے۔لفظوں کے چناؤ میں مترجم نے کمال مہارت کا ثبوت دیا ہے اور وہی الفاظ منتخب کیے ہیں جو نفس مضمون کے متقاضی تھے۔فلسفیانہ خیالات کی ترسیل کے لیے ثقیل اور بھاری بھرکم الفاظ کے استعمال سے گریز کیا ہے تا کہ قاری کے لیے عبارت قابلِ فہم ہو جائے اور اصل متن کی بھرپور نمائندگی بھی ہو سکے،اِس سے مترجم کے وسعتِ مطالعہ اور موضوع پر گرفت اور اُس کی گہرائی و گیرائی سے آگاہی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً ذیل میں دیا گیا اقتباس اِس کی عمدہ مثال ہے :

> Iqbal's Philosophy of the Self has more or less been ignored by the West. You will not find mention of Iqbal's name or philosophy in any Western work on the subject on the other hand,after the initial period of indifference, the East started taking notice of Iqbal and has ended by worshipping him,more or less blindly. Both these attitudes are unfair to the great poet-philosopher,

Iqbal appears to have had no time or inclination to present his doctrine of the Self in plain pilosophical language.(٦)

اب ترجمہ دیکھیے:

''اقبال کے فلسفۂ خودی کو مغرب نے کم وبیش نظر انداز کر دیا ہے۔ اِس موضوع پر کسی مغربی تصنیف میں آپ کو اقبال کا نام یا اُن کے فلسفہ کا ذکر نہ ملے گا۔ دوسری جانب، مشرق میں ابتدائی دَورِ بے اعتنائی کے بعد اقبال کی قدر شناسی کا آغاز ہوا اور بالآخر کورانہ پرستش تک نوبت پہنچ گئی۔ اِس عظیم شاعر و فلسفی کے حق میں مغرب کی یہ بے نیازی اور مشرق کی یہ کورانہ پرستش دونوں نامناسب ہیں۔ اقبال کو غالباً، نہ اتنا وقت ملا، نہ اِس کی ضرورت محسوس ہوئی، کہ وہ اپنے نظریۂ خودی کو واضح فلسفیانہ انداز میں پیش کرتے۔''(٧)

مندرجہ بالا مثال کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ افتخار احمد صدیقی نے ترجمہ کرتے وقت مفہوم وابلاغ کی اہمیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اصل عبارت کے حسن کو برقرار رکھا ہے۔ اُنھوں نے لفظی ترجمے پر زور نہیں دیا بلکہ ابہام سے بچتے ہوئے ادبیت پیدا کی ہے۔ Iqbal's Conception of Satan and its Place in Society کا ترجمہ کرتے ہوئے افتخار احمد صدیقی نے اصل مصنف کی زبان کی صنائع، تلمیحات، نازک استعارے اور تراکیب کو اپنی زبان میں اِس خوبی سے ڈھالا ہے کہ دونوں زبانوں کی قوت بیان، فصاحت اور معنویت میں توازن پیدا ہو گیا ہے اور عبارت فنی حسن کا دلکش مرقع بن گئی ہے، مثلاً:

For modern psychology virtue and vice and good and bad are equally important objects of study.The attitude of traditional theology, according to which evil is simply to be detested and all its mention to be considered indecent and so to be avoided is not scientific in a positive sense. It believes that Satan is the personification of evil, and all you have to do about him is that when his name is mentioned, you curse him and he will run away.(٨)

افتخار صدیقی اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

''جدید نفسیات کے لیے خیر و شر اور نیک و بد، بحیثیت موضوع مطالعہ، یکساں اہمیت رکھتے ہیں رسمی دینیات کا رُجحان علمی یا سائنٹفک نہیں ہے، جس کی رو سے بدی محض تنفر و استحقار

کے لائق ہے اور اُس کا ذکر بھی زبان پر لانا نا مناسب ہے، رسمی مذہب شیطان کو بدی کا مجسمہ قرار دیتا ہے اور اُس کے نزدیک بس اتنا کافی ہے کہ شیطان کا نام آتے ہی لاحول پڑھ دیں اور وہ بھاگ جائے گا۔"(۹)

مندرجہ بالا مثال مترجم کی انشائی استعداد کو ظاہر کرتی ہے۔افتخار احمد صدیقی اصطلاحات کے بلیغ اور پر معنی الفاظ سے بخوبی آگاہ ہیں۔ یہ بات اُن کی علمی استعداد اور معیاری ادب سے واقفیت کو ظاہر کرتی ہے۔پروفیسر میاں محمد شریف (۱۰) کے چند انگریزی مقالوں کا ترجمہ بھی صدیقی صاحب نے کیا۔اُن کے مضمون Is beauty subjective or objective کا ترجمہ "حسن معروضی یا موضوعی" کے نام سے کیا۔(۱۱) خرد افروز از حفیظ الدین صدیقی کا دیباچہ کپتان روبک نے انگریزی میں لکھا تھا۔اِس کا ترجمہ بھی صدیقی صاحب نے کیا، یہ ترجمہ خرد افروز ۱۹۶۳ء کے پہلے ایڈیشن (جلد دوم) کے آخر میں شامل ہے۔ صدیقی صاحب نے اِس دیباچے کا ترجمہ سبک اور رواں انداز میں کیا ہے اور جہاں کہیں وضاحت طلب بات محسوس کی، حوالہ وحواشی سے کام لیا ہے، جس کی وجہ سے عبارت کو سمجھنے میں بڑی آسانی پیدا ہوگئی ہے۔ ترجمہ کرتے ہوئے اُنھوں نے ادق وثقیل تراکیب ومترادفات سے گریز کیا ہے۔

خطبات حمید اللہ (۱۲) کے آخر میں ۶ صفحات پر مشتمل ضمیمہ "اسلامیہ یونی ورسٹی کا اجمالی خاکہ" ہے۔ڈاکٹر عبدالقیوم قریشی کے اِس انگریزی متن کو اُردو کے قالب میں ڈھالنے کا فریضہ بھی صدیقی صاحب نے انجام دیا۔اِس بات کا ذکر ڈاکٹر عبدالقیوم قریشی صاحب اِس طرح کرتے ہیں: "اِسی طرح اسلامیہ یونی ورسٹی کا تصوراتی خاکہ جو انگریزی میں لکھا گیا تھا، موصوف نے ہی اُردو زبان میں منتقل کیا تھا۔"(۱۳)

صدیقی صاحب نے اِس ترجمے میں نہایت سادہ انداز اختیار کرتے ہوئے لفظوں کا چناؤ موضوع کی مناسبت سے کیا ہے۔مسٹر ایم کیمپسن کے توبۃ النصوح کے انگریزی ترجمے کا دیباچہ ولیم میور نے لکھا تھا۔صدیقی صاحب نے اپنے شاگرد عزیز سیٹھی کی وساطت سے انڈیا آفس، لندن کے کتب خانے سے مذکورہ دیباچہ منگوایا اور اِس کا ترجمہ توبۃ النصوح کے ضمیمے میں پیش کیا۔(۱۴) صدیقی صاحب نے ایک انگریزی ناول Prisoner of Zanda کا ترجمہ اسیرِ زنداں کے نام سے کیا۔بعد میں اِس ناول پر فلم بھی بنائی گئی تھی۔سلمیٰ صدیقی کے بقول: "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ابو اکثر کہا کرتے تھے کہ اُنھوں نے ایک ناول Prisoner of Zanda کا ترجمہ اسیرِ زنداں کے نام سے کیا ہے، بعد میں اِس پر فلم بنائی گئی۔"(۱۵) صدیقی صاحب کی دستاویزات سے ملنے والی بیاض

میں جواہر الکلم کے زیرِعنوان پانچ احادیث کا اُردو میں منظوم ترجمہ دستیاب ہوا ہے، جو درج ذیل ہے:

جواہر الکلم

(۱)(حدیث)

کراہتے تھے اسیرانِ بدر مسجد میں　　حضور جاگ اُٹھے اُن کی آہ وزاری سے
سلام اُن ؐ پر کہ نیندیں حرام جن کی ہوئیں　　جو بے قرار تھے دشمن کی بے قراری سے

(۲)(حدیث)

آپ نے دیکھا کہیں اک اشتر مظلوم کو　　رحمت عالمؐ نے اُس پر ہاتھ پھیرا پیار سے
مالکِ اشتر کو بخشی دولت احساس و درد　　سب کے دامن بھر گئے اِس ابر گوہر بار سے

(۳)(حدیث)

جب میزانِ عمل کی آئے گی باری　　خوش اخلاقی ٹھہرے گی سب پر بھاری

(۴)(حدیث)

اعتکاف یک سالہ بڑی عبادت ہے　　خدمتِ انساں اِس سے بڑی سعادت ہے

(۵)(حدیث)

ہم اپنے پیار سے اوروں کے دل میں گھر کرلیں　　زہے نصیب جو یوں زندگی بسر کرلیں
کسی دکھی کو سہارا سہی ، مہم نہ سہی　　گزر رہے ہیں جو لمحے اُنھیں امر کرلیں (۱۶)

مندرجہ بالا کلام کے علاوہ اُنھوں نے غالب کے ۱۰ فارسی اشعار کا ترجمہ اشعارِ غالب (فارسی کلام) کے زیرِعنوان کیا۔ چند اشعار درج ذیل ہیں :

باخرد گفتم نشان اہل معنی باز گوئے　　گفت گفتارے کہ باکردار پیوندش بود
پوچھا جو میں نے اہل خرد کی شناخت کیا؟　　بولے کہ ہے یک رنگئی گفتار و کردار
سخن سادہ دلم را نہ فریبد غالبؔ　　نکتہ چند ز پیچیدہ بیانے بمن آرا غالبؔ
شعر سادہ مرے دل کو نہیں بھاتے غالبؔ　　کیجیے پیچیدہ بیانی سے ادا نکتۂ چند!
دمید دانہ وبالید و آشیاں گہ ،شد　　درِ انتظار ہما، دام چیدنم بنگر
اگا جو دانہ، بڑھا پیڑ، آشیانے بنے　　بچھا کے جال ہما کا ہے انتظار مجھے
ہجوم گل بر گلستان ہلاک شو قم کرد　　کہ جانماندہ و جائے تو ہمچنان خالیست

باغ پھولوں سے بھر گیا لیکن　　پھر بھی تیری جگہ تو خالی ہے
تکلف برطرف لب تشنہ بوس و کنار ستم　　زراہم باز چنیں دام نواز شہائے پنہاں کا
تکلف برطرف ،ہوں آرزومند ہم آغوشی　　اُٹھا لو دام تم اپنی نوازشہائے پنہاں کا
شنیدہ ای کہ برآتش نہ سوخت ابراہیم　　بہ بیں کہ بے شرر وشعلہ می توانم سوخت
سنا ہوگا ابراہیم آگ میں نہ جلے　　یہ دیکھو بے شرر وشعلہ جل رہا ہوں میں (۱۷)

اقبال کے صدسالہ جشن ولادت کے سلسلے میں دیگر یادگاری تالیفات کے ساتھ علامہ اقبال کی بیاض بہ عنوان Stray Reflections کو مجلس ترقی ادب، لاہور نے اپنی طباعتی پروگرام میں شامل کیا۔اِس کا ذکر نقش دوام میں اِس انداز سے آیا ہے:

> ''۱۹۷۳ء میں حمید احمد خاں نے اقبال کے صدسالہ جشنِ ولادت کے سلسلے میں مجلس ترقی ادب کی طرف سے چند یادگاری مطبوعات کا اہتمام کیا، اِس سلسلے میں اقبال کی نوٹ بک (Stray Reflections (NoteBook مرتبہ ڈاکٹر جاوید اقبال ترجمہ کے لیے ملی تھی، خان صاحب نے اِس چھوٹی سی کتاب شذرات فکرِ اقبال کو بڑے اہتمام سے دبیز کاغذ پر چھپوایا تھا، اِس کتاب کا مقدمہ خان صاحب کو بہت پسند آیا۔''(۱۸)

چوں کہ اقبال نے یہ بیاض با قاعدہ منصوبے کے تحت نہیں لکھی تھی بلکہ افکار کی مختلف لہروں کو، جو اُن کے دل ودماغ میں موجزن تھیں ، بعینہٖ صفحۂ قرطاس پر منتقل کردیا تھا، اِن بکھرے اور منتشر خیالات وافکار کی مناسبت سے صدیقی صاحب نے Stray کے لیے ''شذرات'' کا لفظ استعمال کیا ہے، لکھتے ہیں:

> ''کتاب کا نام راقم نے شذرات اقبال تجویز کیا تھا، شذرہ کے لغوی معنی کے پیشِ نظر 'فکر' کا اضافہ کیا گیا، نوٹ بک کے لیے بیاض کے استعمال میں قدرے تأمل تھا، اِس دلیل سے کہ ہمارے یہاں پہلے بھی یہ لفظ اِس معنی میں استعمال ہوتا ہے تو اب کیوں نہ ہو، وہ تأمل رفع ہوا۔''(۱۹)

کتاب کے شروع میں صدیقی صاحب نے ۳۵ صفحات پر مشتمل مقدمہ لکھا ہے جو خصوصیت کا حامل ہے۔اِس ترجمے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اُنھوں نے مصنف کے فکر وفن اور اُن کے محرکات پر بحث کرنے کے ساتھ ساتھ فن ترجمہ نگاری پر اپنے نقطۂ نظر کی بھی وضاحت کی ہے۔مصنف کے فکر وفلسفہ کی مناسبت سے الفاظ منتخب کیے ہیں، جو اصل متن سے خصوصی مطابقت رکھتے ہیں۔

بیاض پر تبصرہ کرتے ہوئے مقدمے میں اِس طرح رقم طراز ہیں:

''اقبال کی یہ بیاض مختصر و معنی خیز نگارشات کا مجموعہ ہے،علاوہ ازیں اقبال کی عظیم شخصیت کے پیشِ نظر، اُن کا ایک ایک لفظ ہمارے لیے خاص قدر و قیمت کا حامل ہے لہٰذا انتخاب الفاظ میں احتیاط کا پہلو شگفتگی زبان اور روانیِ عبارت پر غالب رہا۔''(۲۰)

ترجمہ کی لسانی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔مترجم کو سنجیدگی،ذہانت،علم اور دونوں زبانوں پر قدرت ہونی چاہیے،اِسی طرح مترادفات،مرادفات اور لفظیات کا شعور اور مشق اُس کے علمی تنوع کا باعث ہوتا ہے۔عموماً مترجم لفظوں کے چناؤ پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔نئے نئے مشتقات وضع کرتا ہے۔ایسا اِس وقت ہی ممکن ہے جب وہ دونوں زبانوں کی فنی نزاکتوں سے واقف ہو۔عبدالمجید سالک کی رائے میں مترجم کے لیے دونوں زبانوں سے گہری واقفیت ضروری ہے نہ صرف لفظی واقفیت، بلکہ انشائی استعداد ضروری ہے،ورنہ اصل ترجمے کی روح ترجمہ میں کبھی منتقل نہ ہو سکے گی۔(۲۱) مولوی عبدالحق کا کہنا ہے:

''ترجمے میں وہی کامیاب ہوسکتا ہے، جو مضمون پر حاوی ہونے کے علاوہ دونوں زبانوں میں کامل دسترس رکھتا ہو، ادب کی نزاکتوں سے واقف ہو اور اصل مصنف کے صحیح مفہوم کو اپنی زبان میں اِسی قوت سے بیان کر سکے۔''(۲۲)

شذراتِ فکرِ اقبال کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ صدیقی صاحب نے مترجم کے فرائض کو احسن طریقے سے نبھانے کی کوشش کی ہے اور وہ اِس کاوش میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔مندرجہ بالا دیے گئے معیارات پر بطور مترجم وہ پورے اُترتے ہیں، جس کا بین ثبوت وہ الفاظ و تراکیب ہیں جو موضوع سے مناسبت رکھنے کے ساتھ ساتھ اصل مصنف کے فکر و نظر کی بھرپور عکاس ہیں۔موزوں الفاظ کی ترتیب و تنظیم سے عبارت ربط و تسلسل کا نمونہ بن گئی ہے،مثلاً مندرجہ ذیل انگریزی الفاظ کا ترجمہ کرتے ہوئے اُنھوں نے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے اور ایسے الفاظ منتخب کیے ہیں جو نہایت موزوں اور برمحل ہیں،چند مثالیں درج ذیل ہیں :

مقدس جھوٹ(Sacred lie)،اکتشاف(Discovery)،بے کرانی(Infinitude)، تنگ دامنی (Narrow Breadth)،عزیز من(My Dear boy)، امرِ یقینی(Absolutely)، ارسطوئے من (My Aristotle)، تلخ نفسیات (Cruel Psychology)،علم(Science)، جذبۂ عصبیت (Fanaticism)، حیات و کائنات(World)،ملعون (Denounced)، پندار کی تسکین(Satisfaction of vanity)، خواہاں(Wish)،انکشافات(Revelations)

برانگیختہ(Roused)،نقطۂ اجتماع(Rally point)، دینی وطن پرستی (Patriotism for Religion)، قطعی (Decided)،تذبذب(Indecision)،شوخ وشریر (Playful)، چپکے سے(Quietly)، اِسے تیاگ دو(Renounce it)۔

The Discovery

Our soul discovers itself when we come into contact with a great mind.It is not until I had realised the infinitude of Goethe's Imagination that I discovered the narrow breadth of my own, (۲۳)

اکتشاف

''جب کسی عظیم ذہن سے ہمارا رابطہ قائم ہوتا ہے،تو ہماری رُوح اپنا اکتشاف کرلیتی ہے۔گوئٹے کے تخیل کی بے کرانی سے آشنا ہونے کے بعد مجھ پر اپنے تخیل کی تنگ دامنی منکشف ہوگئی۔''(۲۴)

مندرجہ بالا مثالوں میں Discovery کے لیے''اکتشاف''کالفظ استعمال کیا ہے، جومفہوم کی گہرائی کو واضح کرتا ہے۔ورنہ عمومی مفہوم Discover کا''دریافت کرنا ہے''اِسی طرح Infinitude ''لامحدودیت'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے،لیکن عبارت کے مفہوم کے پیشِ نظر''بے کرانی'' کالفظ استعمال کیا گیا ہے۔مندرجہ بالا مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ لفظوں کے چناؤ کے ساتھ ساتھ مترجم کا اہم کام اصطلاح سازی اور اِن مصطلحات کا برمحل استعمال ہے،کیوں کہ''اصطلاح شناسی کے بغیر صحیح ترجمہ ممکن نہیں۔بہت کم مترجم ایسے ہوتے ہیں جو دونوں زبانوں میں خصوصی مہارت رکھتے ہوں۔'' (۲۵)

ڈاکٹرمرزا حامد بیگ وضع اصطلاحات میں احتیاط کے تقاضے کوضروری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خوامخواہ وضع اصطلاحات کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے،اصطلاح کی جگہ ایسے موزوں مقامی بول چال کے الفاظ کوجگہ دی جاسکتی ہے، جوخاصے مقبول اور عام فہم ہوں، بجائے اِس کے کہ کوئی بھونڈی اورمصنوعی اصطلاح وضع کی جائے۔''(۲۶)

صدیقی صاحب نے لفظوں کے مفاہیم کی نزاکتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے بڑے حسن وخوبی سے الفاظ وتراکیب کو برتا ہے کہ تحریر بہترین ترجمے میں ڈھل گئی ہے۔مثلاً شذرات کے عنوانات کے لیے،جو الفاظ وتراکیب منتخب کیے ہیں،اُن میں اختصار وجامعیت پائی جاتی ہے۔ ہرلفظ پورے موضوع کو اپنے دامن

میں سمیٹے ہوئے ہے ۔یعنی اِن کو پڑھنے سے اقتباسات کے نفسِ مضمون کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ موضوعات کا مناسب چناؤ مترجم کی بہت بڑی خوبی شمار کی جاتی ہے ۔ذیل میں چند انگریزی عنوانات (شذرات) ترجمے کے ساتھ درج ہیں :

پندار کی تسکین(The Satisfaction of Vanity)، شاعری اور منطقی صداقت(Logical Poetry and Truth)، حیات بطور تنقید شعر(Life as a Criticism of Poetry)، تولیت اقوام (Tutelage of Nations)، لٹیری قوموں کا بارِ امانت(White Man's Burden)، لاادریت اور مذہب (Scepticism and Religion)، کانٹ کا امرِ غیر مشروط(The Kant's Categorical Imperative)۔

صدیقی صاحب نے شذرات کا ترجمہ کرتے ہوئے، جو جیسے حروف عطف و ربط سے عبارت کو پیچیدہ نہیں بنایا بلکہ بلیغ و پُر معنی الفاظ کے چناؤ سے فقروں میں جامعیت پیدا کی ہے۔لفظوں کا یہ چناؤ اُن کی علمی استعداد اور ادب شناسی کی دلیل ہے ،اِس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں :

Sunset on the Banks of the Ravi

All the wonderful book-lore in your library is not worth one glorious sunset on the banks of the Ravi.(۲۷)

غروبِ آفتاب بر کنارِ راوی

راوی کے کنارے غروبِ آفتاب کے ایک پر اجلال منظر کے مقابلے میں آپ کے کتب خانے کا سارا حیرت انگیز کتابی علم و دانش ہیچ ہے۔"(۲۸)

The effect of philosophy and Poetry

Philosophy ages:Poetry rejuvenates(۲۹)

فلسفہ اور شاعری کے اثرات

"فلسفہ بوڑھا بنا دیتا ہے،شاعری تجدید شباب کرتی ہے۔"(۳۰)

ادبی فن پاروں کے ترجمے کی کامیابی کے لیے مترجم کا ادیب ہونا ضروری ہے، کیوں کہ وہ اِس فن کا مردِ میدان ہوتا ہے اور اِس کی گہرائیوں سے بہ خوبی واقف ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زبان کے علم و ادب کو دوسری زبان میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔زبان و بیان کی یہ استعداد ترجمے میں نیا اسلوب پیدا کرتی ہے،وہ صنائع بدائع، مصطلحات کو اِس خوبی سے برتتا ہے کہ ترجمہ محض ترجمہ نہیں، بلکہ

ادبیت کا حامل ہوجاتا ہے۔عبدالمجید سالک اِس سلسلے میں کہتے ہیں :''ادبی چیزوں کا ترجمہ کرنے میں انتہائی احتیاط اور پابندی ملحوظ رکھنی چاہیے،تا کہ اصل فنکار کی تخلیق کی کوئی صوری ومعنوی خصوصیت مسخ نہ ہونے پائے،اصل کے الفاظ کی پیروی اُس کے فقروں کے بانکپن کی حفاظت اور اُس کے بیان کی روح،غرض ہر چیز ترجمے میں منعکس ہونی چاہیے۔'' (۳۱)مولوی عبدالحق کے بقول :''ترجمے کا کمال یہ ہے کہ مصنف کے مفہوم کو اپنی زبان اور محاورے میں اِس طرح ڈھال کر ادا کیا جائے کہ گنجلک پیدا نہ ہو،اصل خیال کی قوت میں فرق نہ آئے اور یہ معلوم ہو کہ کتاب ہماری ہی زبان میں لکھی گئی تھی۔''(۳۲)

صدیقی صاحب نے ترجمہ کرتے ہوے ترجمے میں اُن تقاضوں کا خیال رکھا ہے اور اصل مصنف کے حقیقی خیال کو پیش کرتے ہوئے اُس کے احساسات کو تمام وسعتوں اور گہرائیوں کے ساتھ اُردو کے قالب میں ڈھالا ہے، جس کی وجہ سے ترجمہ میں ادبی شان پیدا ہوگئی ہے۔اُنھوں نے ترجمہ کرتے ہوئے غیر ضروری عبارت آرائی سے گریز کیا ہے اور لفظی ومعنوی تعقید سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کی ہے۔اُنھوں نے غیر زبان کے الفاظ کی بندشوں میں خود کو گم نہیں کیا اور عبارت کو ابہام اور پیچیدگی سے محفوظ رکھا ہے۔اپنے علم وذہانت اور مہارت سے عبارت کو مؤثر ابلاغ کا ذریعہ بنا دیا ہے۔درج ذیل اقتباسات اُنھی خصوصیات سے مزین ہیں اور فنِ ترجمہ نگاری سے صدیقی صاحب کی مکمل آگاہی کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

Thanksgiving

God!I thank Thee for my birth in this world of rosy dawns, flame-clad sunsets and thick forests,where in the gloom of nature's bygone nights rests in eternal sleep.(۳۳)

شکر گزار

''خدایا! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اِس دنیا میں پیدا کیا، جہاں گلابی صبحیں، شعلہ پوش شامیں اور وہ گھنے جنگل ہیں، جن کی آغوش میں فطرت کی شب ہائے رفتہ کے دھندلکے ابدی نیند سو رہے ہیں۔''(۳۴)

ترجمہ کرتے وقت صدیقی صاحب نے ایک طاقتور اسلوب پیدا کر دیا ہے اور انگریزی کو اردو کے قالب میں اِس طرح ڈھالا ہے کہ یہ اِسی کا حصہ بن گئی ہے۔یہ صدیقی صاحب کے پختہ کار ادیب ہونے کی دلیل ہے۔

ایک پختہ کار ادیب ہمیشہ اپنے علم وفراست سے متن کی نوعیت اور سیاق وسباق کے حوالے سے مترادفات منتخب کرتا ہے،اِس سلسلے میں لغات سے بھی کام لیتا ہے۔صدیقی صاحب نے بھی ترجمہ کرتے ہوئے مصنف کے مزاج، اسلوب اور تراکیب کو مدِنظر رکھا ہے اور ترجمہ کرتے وقت عبارت کو اچھی طرح سمجھ کر اُس کے مفہوم کو اپنی زبان کے مزاج اور آہنگ کے مطابق ڈھال دیا ہے اور اِس سلسلے میں اِس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ بات میں ابہام پیدا نہ ہو۔اُنھوں نے اپنے اندازِ بیان،لب ولہجے، ذاتی عقل وشعور اور فہم وادراک سے اقبال کی اِس نوٹ بک کو فنِ ترجمہ نگاری میں وقار بخشا ہے۔بعض اوقات مصنف اپنے خیالات کو بہتر انداز میں بیان نہیں کر پاتا ،جس سے اُس کی عبارت گنجلک ہوجاتی ہے۔اس موقع پر مترجم اپنی صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے اِس انداز میں ترجمہ کرتا ہے کہ عبارت عام فہم ہوجاتی ہے، صدیقی صاحب نے بھی بین السطور مطالعہ کرتے ہوئے لفظوں کی تقدیم وتاخیر اور جملوں کی ساخت بدل کر نہایت دیانت داری سے بطور مترجم اپنے فرائض انجام دیے ہیں۔اِس سلسلے میں درج ذیل مثالیں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

Wonder

Wonder,says Plato,is the mother of all Science. Bedil (Mirza Abdul Qadir) looks at the emotion of wonder from a different stand point.Says he :

نزاکت ھاست و آغوش میناخانۂ حیرت
مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگ تماشا را

To Plato wonder is valuable because it leads to our questioning of nature ; To Bedil it has a value of its own, irrespective of its intellectual consequences.It is impossible to express the idea more beautifully than Bedil.(۳۵)

حیرت

''افلاطون کا قول ہے کہ حیرت تمام علوم کی ماں ہے۔مرزا عبدالقادر بیدل حیرت کو ایک مختلف زاویۂ نظر سے دیکھتے ہیں،وہ فرماتے ہیں :

نزاکت ھاست و آغوش میناخانۂ حیرت
مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگ تماشا را'

افلاطون کے نزدیک حیرت اِس لیے قابلِ قدر ہے کہ اِس سے فطرت کے بارے میں ہمارے تجسس کی تحریک ہوتی ہے۔بیدل کے لیے حیرت اپنے ذہنی نتائج واثرات سے قطعِ نظر فی نفسہ قابلِ قدر ہے، اِس خیال کا اظہار بیدل کے اِس شعر سے زیادہ حسین پیرایے میں ممکن نہیں۔''(۳۶)

عبارت میں موجود شعر کی وضاحت کے لیے حواشی سے کام لیتے ہوئے عجمی تصوف کے اثرات کی وضاحت کرتے ہیں کہ: 'اِن حالات میں یہ، کیونکر ممکن تھا کہ ہندوستان میں اسلامی تخیل اپنے عملی ذوق کو محفوظ رکھتا ہے، مرزا بیدل لذتِ سکون کے اِس قدر دلدادہ ہیں کہ اُن کو جنبشِ نگاہ تک گوارہ نہیں، نزاکت ھاست درآغوش.....الخ''(۳۷)

Sin and Piety

At least in one respect sin is better than Piety. There is an imaginative element in the former which is lacking in the latter.(۳۸)

گناہ اور تقویٰ

''کم ازکم ایک لحاظ سے گناہ تقویٰ سے بہتر ہے، گناہ میں ایک تخیلی عنصر موجود ہے، جو تقویٰ میں مفقود ہے۔''(۳۹)

مترجم کا کمال یہ ہے کہ وہ طویل جملوں کو ترجمہ کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے جملوں میں منقسم کردے، لیکن اِس سلسلے میں ابلاغ میں کسی قسم کا ابہام نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی جملے کا کوئی حصہ حذف ہونا چاہیے۔صدیقی صاحب نے شذراتِ فکرِ اقبال میں اِسی اُصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے انگریزی کے طویل جملوں کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے ترجمے میں جامعیت پیدا ہوگئی ہے، مثلاً ''نوجوان مبلغ اور مسلم خاتون'' اور ہیگل، گوئٹے، غالب، بیدل اور ورڈزورتھ جیسے شذرات میں تصرفات سے کام لیا ہے۔

The German Nation

In the economy of nature,each nation has a function allotted to it.The function of German nation is the organisation of human knowledge. But they have recently started on a commercial enterprise

which may give them an empire , but they will have to suffer the displacement of a higher ideal by the all absorbing spirit of trade. (۴۰)

جرمن قوم

''فطرت کی جُورسی کے باعث ہر قوم کو ایک وظیفہ خاص تفویض ہوتا ہے۔علمِ انسانی کی تنظیم کا فریضہ جرمن قوم کے ذمے ہے۔حال ہی میں اُنھوں نے ایک تجارتی مہم کا آغاز کیا ہے ،جس سے اُنھیں سلطنت تو ہاتھ آسکتی ہے لیکن ایک بلند تر نصب العین کے بدلے میں تجارت کا یہ دل گیر سودا اُنھیں مہنگا پڑے گا۔''(۴۱)

شذرہ نمبر ۱۳۴ اچھے ترجمے کی عمدہ مثال ہے،جس میں مترجم نے نہ صرف نئے الفاظ وتراکیب اختراع کی ہیں ، بلکہ حسب ضرورت تصرفات سے کام لیتے ہوئے عبارت کو بامعنی بنادیا ہے۔

The Tutelage of Nations

A disinterested foreign rule is an Impossibilty. Yet the tutelage of nations is a necessity. The fee paid for this tuition is sometimes a nation's daily bread. The Mexicans had to undergo a severe training under the Spaniards before they could undertake to manage their own affairs.(۴۲)

تولیتِ اقوام

''کسی بدیسی حکومت کے مطابق بے لوث ہونا ممکن نہیں،تاہم اقوام کی تولیت ضروری ہے،بعض اوقات اِس تولیت وتربیت کے معاوضے میں قوموں کو نان شبینہ سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے،اہلِ میکسیکو کو ہسپانیہ والوں کے ماتحت تربیت کے شدید مراحل سے گذرنا پڑا،تب کہیں جاکر وہ سنبھالنے کے لائق ہوسکے۔''(۴۳)

صدیقی صاحب نے شذراتِ فکرِ اقبال کا ترجمہ کرتے ہوئے اِس بات کا خیال رکھا ہے کہ حوالہ وحواشی میں احتیاط برتی جائے۔زیادہ تر حواشی میں حوالہ جات تاریخی شخصیات،فلسفیوں اور شاعروں اور مفکروں کے ہیں،جن کا ذکر یہ ظاہر کرتا ہے کہ اقبال شعوری ولاشعوری طور پر اِن حکما ومشاہیر سے متاثر

ہوئے تھے اور اُن کے اثرات، افکارِ اقبال پر بھی مرتب ہوئے۔ چناں چہ اقبال کے بعد کے کلام میں اُن کا ذکر جس حوالے سے آیا ہے صدیقی صاحب نے کمال مہارت سے اُن کی نشاندہی کی ہے۔ یہ بات اُن کے وسعتِ مطالعہ اور موضوع پر مکمل گرفت، محققانہ اور ناقدانہ صلاحیتوں کی دلیل ہے۔ زیادہ تر حوالہ جات میں شخصیات کے تعارفی نوٹ ہیں جن میں اُن کی علمی و ادبی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے، مثلاً شذرہ نمبر ۶۳ کی وضاحت صدیقی صاحب حواشی میں لکھتے ہیں: ''مثنوی اسرارِ خودی میں اقبال نے حصولِ قوت کے لیے یا قوی کا وظیفہ تجویز فرمایا ہے، اہلِ قوت شو زوردیا قوی۔ (۴۴) اِسی طرح بعض شذرات میں حوالہ وحواشی میں اقبال کے اشعار وضاحت کے لیے پیش کیے ہیں، مثلاً شذرہ نمبر ۶۵ بہ عنوان قوت کا لمس Touch of Power میں، جب اقبال لکھتے ہیں: ''قوت باطل کو چُھو لیتی ہے، تو باطل حق میں بدل جاتا ہے'' اِس کی وضاحت صدیقی صاحب نے اقبال کے فلسفۂ قوت سے کی ہے، جس کی جھلک اسرارِ خودی کے اشعار میں نمایاں ہے۔

Stray Reflections کا ایک اور ترجمہ ڈاکٹر عبدالحق نے کیا ہے، جو بزم احباب، دہلی سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ یہ لفظی ترجمہ ہے جس کا اعتراف ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے ''مقدمہ'' میں کیا ہے، لکھتے ہیں:

> ''میں نے ترجمہ کرتے وقت کسی خاص اُصول یا نقطۂ نظر کو نہیں اپنایا بلکہ لفظی ترجمے پر اکتفا کیا تا کہ اقبال کے صحیح تصورات کو عام فہم زبان میں منتقل کرسکوں کہ تخلیق و ترجمہ کا فرق برقرار رہے، میں نے ربطِ عبارت کی جگہ ربطِ خیال کو اہمیت دی ہے۔ ترجمہ کو شعر کی زبان سے حتی الامکان دور رکھا ہے۔''(۴۵)

ڈاکٹر عبدالحق کا یہ کہنا ہے کہ اُنھوں نے لفظی ترجمہ کیا ہے اور یہ کہ ''تخلیق و ترجمہ کا فرق روا رہے'' غور طلب ہے۔ یہ درست ہے کہ ترجمہ حتی الامکان تحت اللفظ ہونا چاہیے اور اصل عبارت کا محض خلاصہ یا مطلب نہیں ہونا چاہیے، لیکن جب ہم ترجمے کو فن کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ترجمہ وسعت زبان کا ایک ذریعہ ہے۔ لفظی ترجمہ کرنے سے بعض اوقات معنی میں اُلجھاؤ پیدا ہوجاتا ہے۔ اِس ابہام سے بچنے کے لیے مترجم مختلف مترادفات و مرادفات، تشبیہات و استعارات کے علاوہ تراکیب اختراع کرتا ہے، لیکن اِس انداز سے کہ اصل کا توازن و تناسب برقرار رہے اور عبارت کا مفہوم بلیغ انداز میں بیان کیا جاسکے۔ اِس سلسلے میں مترجم کو خصوصی احتیاط برتنا پڑتی ہے ورنہ عبارت لفظوں کا ایک جال بن کر رہ جاتی ہے جس میں مفاہیم بری طرح اُلجھ کر رہ جاتے ہیں۔ آل احمد سرور کے خیال میں

تخلیقی عنصر ترجمے کی سب سے بڑی خصوصیت ہے اور ترجمے کے لیے Recreation کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے، کیوں کہ ترجمے کے ذریعے ہم دوسری زبان کے افکار واقدار سے آشنا ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مترجم کے لیے اِس زبان کی تہذیب اور معاشرت سے بھی آشنا ہونا چاہیے ڈاکٹر عبدالحق ایک اور جگہ (مقدمے) میں لکھتے ہیں:

> ''ترجمہ پریس میں تھا کہ اطلاع ملی کہ پاکستان میں شذرات اقبال کے نام سے اِس ڈائری کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے، چونکہ مطبوعہ ترجمہ ہندوستان میں دستیاب نہیں ہے، اس لیے یہ ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے، ورنہ ایک ترجمے کے بعد دوسرے ترجمے کی ضرورت باقی نہیں رہتی''۔(۴۶)

ڈاکٹر عبدالحق کا کہنا کہ''ایک ترجمے کے بعد دوسرے ترجمے کی ضرورت باقی نہیں رہتی''۔درست نہیں کیوں کہ کسی بھی ترجمے کو حتمی قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔خوب سے خوب تر کے امکانات ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ترجمے کے لیے ضروری ہے کہ موضوعات کے ساتھ ساتھ لسانی سطح پر بھی اضافے کا باعث بنے۔ اِس بات سے صدیقی صاحب بخوبی آگاہ تھے، یہی وجہ ہے کہ شذراتِ فکر اقبال کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> ''میں نہیں کہہ سکتا کہ اِس کے صحیح ترجمے کا حق کسی حد تک ادا ہوا لیکن خوب سے خوب تر کی خلشِ جستجو اب حسرت بن کر رہ گئی ہے۔''(۴۷)

افتخار احمد صدیقی نے شذراتِ فکرِ اقبال کا ترجمہ کرتے وقت طالب علمانہ جستجو اور لگن سے لفظوں پر غور وفکر کرتے ہوئے اُن کی مختلف تہوں کی گرہ کشائی کی ہے۔اُنھوں نے ایسا انداز اختیار کیا ہے جو اقبال کی فلسفیانہ سوچ اور فکر کا متقاضی تھا۔گویا اُنھوں نے مصنف کی تحریر کی اصل روح کو لفظوں میں سمویا ہے اور اپنے خاص انداز سے لطیف اضافے بھی کیے ہیں جو اصل تحریر یا مبدا پر گراں نہیں گذرتے۔ اُن کے ترجمہ کردہ جملوں میں جامعیت پائی جاتی ہے، جب کہ بکھرے خیالات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالحق نے محض ابلاغ پر زور دیا ہے تاکہ مفاہیم کی ترسیل با آسانی ہو سکے۔شذرات کے الفاظ وعنوانات کے تقابلی جائزے سے دونوں تراجم کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

بکھرے خیالات	شذراتِ فکر اقبال	Stray Reflection
تصورات کا اُن کے تاریخی	تاریخی پس منظر سے	The relationship of ideas
سیاق وسباق سے تعلق	تصورات کا رشتہ	of their historical context

طاقتور انسان	مردِ قوی	The powerful man
تشکیک اور مذہب	لاادریت اور مذہب	Scepticism and religion
فکر بدون عمل	تفکر بغیر عمل	contemplation without action
طاعت بدون عقیدہ	موافقت بے عقیدہ	Conformity with dogma
محبت ایک شوخ بچہ ہے	محبت کے کھیل	Love is playful child

مندرجہ بالا الفاظ کے تقابلی جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ صدیقی صاحب نے الفاظ ایسے چنے ہیں ،جن میں جامعیت پائی جاتی ہے،مثلاً ''تیاگ دو''،'' تجریدی''،''حیات بخش''،''سرمغزیوں''،''اخفا وابہام''،''عمیق وغائر'' وغیرہ۔اِس کے برعکس ڈاکٹر عبدالحق کے منتخب کردہ الفاظ توضیحی انداز لیے ہوئے ہیں،تاہم بعض ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں ،جن میں ڈاکٹر عبدالحق کے الفاظ زیادہ بلیغ محسوس ہوتے ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر جاوید اقبال کے لکھے ہوئے انگریزی ''تعارف'' Introduction کے ترجمے کا موازانہ درج ذیل ہے :

Although we may disagree with some of his ideas, this note-book enables us to glimpse the livliness, richness,and fertility of Iqbal's mind.We see the many-sidedness of his interests and meet his views on a wide variety of subjects such as Art, Philosophy, Literature, Science, Politics and religion.He aslo refers to the psychological effects of imperialism on subjugated people.(۴۸)

پہلے ڈاکٹر عبدالحق کا ترجمہ ملاظہ ہو:

اگر چہ، ہم اِن کے کچھ خیالات سے اتفاق نہیں کر سکتے ،پھر بھی یہ نوٹ بک ہمیں اِس قابل بنا دیتی ہے کہ ہم ذہن اقبال کی ناپائیداری،گہرائی اور ذخیرہ دیکھ سکیں،ہم اُن کی ہمہ جہت دلچسپیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور وسیع النوع موضوعات جیسے فن،فلسفہ، ادب،سائنس، سیاسیات اور مذہب کے متعلق اُن کے افکار وآرا سے مطلع ہوتے ہیں، وہ ایک محکوم قوم پر ملوکیت کے نفسیاتی اثرات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔''(۴۹)

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اس اقتباس کو جس طرح ترجمے کے قالب میں ڈھالا ہے، درج ذیل ہے:

''اگر چہ، ہمیں اُن کے بعض خیالات سے اختلاف ہو، تاہم اِس بیاض میں اقبال کے ذہن کی توانائی، ہمہ گیری اور خلاقی کی جھلک نظر آئے گی، یہاں ہم اُن کی دلچسپیوں کی رنگا رنگی کا مشاہدہ کریں گے اور متنوع موضوعات مثلاً آرٹ، فلسفہ، ادب، سائنس اور مذہب کے بارے میں، اُن کے خیالات سے آشنا ہوں گے، اِنھی اوراق میں اُنھوں نے محکوم قوم پر سامراج کے نفسیاتی اثرات کا بھی ذکر کیا ہے۔''(۵۰)

شذرات فکر اقبال کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ صدیقی صاحب نے توضیحات وتصریحات سے کام لیتے ہوئے، عمدہ اضافے کیے ہیں، یعنی عبارات کی تفہیم کے لیے حوالہ وحواشی سے کام لیا ہے، مثلاً شذرہ نمبر ۵۱ بہ عنوان ''لٹیری قومیں'' میں اقبال نے وارن ہیسٹنگز، لارڈ رابرٹ کلائیو اور سلطان محمود غزنوی کا ذکر کیا ہے۔ اِن تینوں مشاہیر کے مختصر تعارف میں مترجم نے حاشیہ لکھا ہے اِسی طرح شذرہ نمبر ۶۹ بہ عنوان '' کانٹ کا امر غیر مشروط'' میں امر'' غیر مشروط'' کی وضاحت اِس طرح کی ہے:

''امر غیر مشروط Categorical Imperative سے مراد وہ اُصول مطلق ہے جس کے ماتحت ایسا کام ظہور میں آئے جس سے کسی منفعت یا غرض کا حصول مقصود نہ ہو، بلکہ وہ کام فی نفسہ واجب العمل ہو۔''(۵۱)

شذرات فکر اقبال اور بکھرے خیالات کے، دیگر اقتباسات کا تقابل درج ذیل ہے:

Democracy

Democracy has tendency to foster the spirit of legality.This is not in itself bad; but unfortunately it tends to displace the purly moral standpoint,and to make the illegal and the wrong identical in meaning.(۵۲)

مولوی عبدالحق کے ترجمے ''بکھرے خیالات'' کے مطابق:

جمہوریت

''جمہوریت نظم وضبط کی نشو ونما کا میلان رکھتی ہے، یہ بذات خود بُری نہیں، لیکن بدقسمتی سے خالص اخلاقی نقطۂ نظر کو بے خاطر اور غیر قانونی اور غلط کو ہم معنی کر دیتی ہے۔''(۵۳)

شذراتِ فکرِ اقبال میں اسی اقتباس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

جمہوریت

''جمہوریت میں ضابطہ پسندی کے جذبے کو فروغ دینے کا میلان پایا جاتا ہے، ضابطہ پسندی فی نفسہٖ بری چیز نہیں، لیکن بدقسمتی سے یہ خالص اخلاقی نقطۂ نظر کو برطرف کر کے 'غیر قانونی' اور 'غلط' کو معناً مترادف قرار دیتی ہے۔'' (۵۴)

To reconstruct this world

Given character and healthy imagination,it is possible to reconstruct this world of sin and misery into a vertible paradise.(۵۵)

اِس دنیا کی تشکیلِ نو میں

''گناہ اور پریشان حال اِس دنیا کو کردار اور صحت مند تخیل دے کر حقیقی بہشت کی تشکیلِ نو ممکن ہے۔''(۵۶)

عالم کی تعمیرِ نو

''کردار اور صحت مند تخیل میسر آجائے، تو اِس گناہ اور دکھ بھری دنیا کی ایسی تعمیرِ نو ممکن ہے کہ یہ ایک حقیقی جنت بنا جائے۔''(۵۷)

مندرجہ بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ صدیقی صاحب کی شذراتِ فکرِ اقبال ادبی ترجمے کی عمدہ مثال ہے اور ڈاکٹر عبدالحق کی بکھرے خیالات لفظی ترجمے کی ذیل میں آتی ہے۔ الغرض ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے ترجمہ نگاری کے معیارات کو مدِنظر رکھتے ہوئے شذراتِ فکرِ اقبال کی صورت میں فنِ ترجمہ نگاری میں عمدہ اضافہ کیا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی بیاض چھپوانے کے لیے نہیں لکھی تھی، کیوں کہ نا اُمیدی واضطراب کے دور میں یہ اُن کی واحد مونس وغم خوار تھی اور اُن کے فکری کتھارسیس کا ذریعہ بھی تھی۔ اُس وقت اقبال نے جو کچھ سوچا اور جس انداز میں محسوس کیا، اُسے بعینہٖ رقم کر دیا۔ بعد میں اُن کی اہمیت کے پیشِ نظر، ۱۷/ اپریل ۱۹۱۷ء میں سترہ منتخب شذرات رسالہ New era میں شائع کرائے اور بیاض سے نقل شدہ اِن شذرات میں اُنھوں نے کچھ ترامیم اور اضافے بھی کیے، جن کی نشاندہی ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے تصانیفِ اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ میں بھی کی ہے۔(۵۸)

اقبال کے اِن فلسفیانہ افکار وخیالات کو ترجمے کے قالب میں ڈھالنا نسبتاً دشوار تھا اور اِس کے لیے خاصی محنت درکار تھی اِس کا اعتراف افتخار احمد صدیقی نے بھی کیا ہے کہ ''بظاہر یہ کام آسان تھا، لیکن ایک چھوٹی سی کتاب میرے لیے چیلنج بن گئی تھی''۔ اِس چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مطالعہ کی جس وسعت وگہرائی اور دونوں زبانوں سے مکمل آگاہی کی ضرورت تھی اُن میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ وہ شاعر وفلسفی کی ذہنی اپج سے بخوبی آگاہ تھے۔ اُنھوں نے اقبال شناسی کی بدولت اُن محرکات کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جو اِس بیاض کے لکھنے کا محرک بنے۔ اپنی محققانہ اور ناقدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اُنھوں نے حوالہ وحواشی سے بھی کام لیا ہے اور ترجمہ کرتے ہوئے لفظی ترجمے سے قطعِ نظر ایسے الفاظ منتخب کیے ہیں جو فکرِ اقبال کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ اگرچہ ڈاکٹر عبدالحق نے بھی بکھرے خیالات کے نام سے جو ترجمہ کیا ہے وہ زیادہ تر لفظی ہے، تاہم بعض مقامات پر یہ ترجمہ بہتر محسوس ہوتا ہے۔ لیکن مجموعی طور پر شذراتِ فکرِ اقبال میں اصل مصنف کی رُوح بولتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، وہ الفاظ وتراکیب کے برمحل استعمال سے ابہام سے با آسانی بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ چناں چہ ایسا کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے شذراتِ فکرِ اقبال لکھ کر فنِ ترجمہ نگاری میں اِسے وقار بخشا ہے۔ بلامبالغہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شذراتِ فکرِ اقبال نے صدیقی صاحب کو مترجمین کی وصفِ اول میں لا کھڑا کیا ہے۔

☆☆☆☆

حوالے اور حواشی

(۱) ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی: نقشِ دوام (خودنوشت سوانح حیات) غیر مطبوعہ۔ ص ۱۵۵

(۲) Studies in Iqbal's Thought and Art edited by M.Saeed Sheikh, 1987, p64

(۳) ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی: اقبال کا فلسفۂ خودی مشمولہ فلسفۂ اقبال۔ لاہور، بزمِ اقبال (۱۹۶۲ء) ص ۳۲۹

(۴) Studies in Iqbal's Thought and Art edited by M.Saeed Sheikh,1987, P:64

(۵) ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی: اقبال کا نظریۂ ابلیس مشمولہ فلسفۂ اقبال، لاہور، بزمِ اقبال ۱۹۶۲ء، ص ۷۷

(۶) Iqbal's Philosophy of self, p64

(۷) اقبال کا فلسفۂ خودی، ص ۳۲۹

(۸) Iqbal's Concept of Satan and its Place in Society

(۹) اقبال کا نظریۂ ابلیس، ص ۷۷

(۱۰) سابق ڈائریکٹر تحقیقاتِ اسلامیہ (پاکستان ۔صدر، پاکستان فلاسوفیکل کانگریس، سابق پروفیسر وصدر شعبہ وفلسفہ وپرووائس چانسلر، (مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ) صدر، انڈین فلاسوفیکل کانگریس، پرنسپل اسلامیہ کالج سول لائنز، ڈین شعبۂ فنون (پنجاب یونی ورسٹی)

(۱۱) پروفیسر میاں محمد شریف کے فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ جمالیات کے تین نظریے، اِن توسیعی خطبات پر مشتمل ہے، جو اکتوبر سے لے کر دسمبر تک پنجاب، دہلی اور الٰہ آباد کی یونی ورسٹیوں میں بہ زبان انگریزی دیے گئے تھے۔ اِس میں شامل یہ مقالہ Is Beauty objective or Subjective انڈین فلاسوفیکل کانگرس کے مذاکرے میں پڑھا گیا تھا۔ ترامیم واضافات کے بعد شائع ہوا۔ اِسکا ترجمہ ڈاکٹر افتخار صدیقی نے حسن معروضی یا موضوعی کے نام سے کیا۔

(۱۲) اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور کے وائس چانسلر (ڈاکٹر عبدالقیوم قریشی) کے پُر زور اصرار پر ڈاکٹر حمید اللہ، پیرس سے بہاول پور تشریف لائے اور پھر اُنھوں نے، یہاں قرآن وحدیث اور فقہ کے موضوعات پر خطبات دیے تھے۔ ہر خطبے کے آخر میں سوال وجواب کا سلسلہ بھی ہوتا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے اِن نادر ونایاب خطبات کو ڈاکٹر عبدالقیوم کے ایما پر خطبات حمید اللہ کے نام سے ۱۹۸۱ء میں دو تین اساتذہ کی مدد سے صدیقی صاحب نے مرتب کیا، یہ تالیف یونی ورسٹی کے مجلّے مفکر کی اشاعتِ خاص متصور کی جاتی ہے، یہ خطبات، بہاول پور کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

(۱۳) مکتوب: ڈاکٹر عبدالقیوم قریشی: ۲۲ دسمبر ۲۰۰۱ء

(۱۴) ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی: توبۃ النصوح (مرتبہ) مجلس ترقی ادب لاہور، ص ۴۴۵

(۱۵) گفتگو: سلمٰی صدیقی، ۲۷ اگست ۲۰۰۱ء

(۱۶) بیاض

(۱۷) ایضاً

(۱۸) نقش دوام، ص ۲۲۶

(۱۹) ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی: شذراتِ فکر اقبال (مقدمہ) لاہور، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۷۴ء، ص ۳۴

(۲۰) شذراتِ فکرِ اقبال،ص۳۲

(۲۱) عبدالمجید سالک: ترجمے کے چند پہلو (مذاکرہ) مشمولہ فنون ، مارچ ۱۹۵۲ء، جلد۴،شمارہ۳،ص ۴۰

(۲۲) عبدالحق مولوی: تراجم کی اہمیت مشمولہ افکار عبدالحق (مرتبہ) آمنہ صدیقی۔کراچی، اُردو اکیڈمی،۱۹۶۲ء،ص ۴۰

(۲۳) Stray Reflections, page 2

(۲۴) شذراتِ فکرِ اقبال،ص ۵۶

(۲۵) افکار عبدالحق،ص ۱۳۵

(۲۶) ڈاکٹر مرزا حامد بیگ: فنِ ترجمہ کے اُصول ومبادیات مشمولہ اوراق،۱۹۸۶ء، شمارہ۱۰،۱۱۔جلد۲۱،ص ۱۲۳

(۲۷) Stray Reflections, page 114

(۲۸) شذراتِ فکرِ اقبال،ص۱۵۱

(۲۹) Stray Reflections, page 122

(۳۰) شذراتِ فکرِ اقبال،ص۱۵۹

(۳۱) عبدالمجید سالک: ترجمے کے چند پہلو (مذاکرہ)،ص ۴۰

(۳۲) عبدالحق مولوی: تراجم کی اہمیت،ص ۱۳۴

(۳۳) Stray Reflections, page 118

(۳۴) شذراتِ فکرِ اقبال،ص۱۵۳

(۳۵) Stray Reflectionsm, page 83

(۳۶) شذراتِ فکرِ اقبال،ص ۱۲۸

(۳۷) شذراتِ فکرِ اقبال،ص۱۲۸

(۳۸) Stray Reflections, page 101

(۳۹) شذراتِ فکرِ اقبال،ص۱۴۱

(۴۰) Stray Reflections, page 46

(۴۱) شذراتِ فکرِ اقبال،ص۵۲

(۴۲) Stray Reflections, page 59

(۴۳) شذراتِ فکرِ اقبال،ص۱۰۳

(۴۴) شذراتِ فکرِ اقبال،ص۱۳۲

(۴۵) آل احمد سرور: تراجم اور اصطلاح سازی و مسائل مشمولہ نظر اور نظریے، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۵ء، ص ۲۷۰

(۴۶) بکھرے خیالات، ص ۲۳

(۴۷) شذراتِ فکرِ اقبال، ص ۳۵

(۴۸) Stray Reflections, page 2

(۴۹) بکھرے خیالات، ص ۲۵، ۲۶

(۵۰) شذراتِ فکرِ اقبال، ص ۱۳۵

(۵۱) ایضاً، ص ۱۳۵

(۵۲) Stray Reflections, page 108

(۵۳) بکھرے خیالات، ص ۹۹

(۵۴) شذراتِ فکرِ اقبال، ص ۱۴۶

(۵۵) شذراتِ فکرِ اقبال، ص ۱۴۴

(۵۶) بکھرے خیالات، ص ۹۲

(۵۷) شذراتِ فکرِ اقبال، ص ۱۳۸

(۵۸) ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی: تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۸۲ء

✿✿✿